Oriental College Magazine, Vol.101, No. 04, Serial No. 382, 2025

شوکت صدیقی کا ناولٹ "کمین گاہ": ایک مطالعہ

حسن محمود
لیکچرار، شعبۂ اُردو و اقبالیات، دی اسلامیہ یونی ورسٹی آف بہاول پور

A Study of Shoukat Siddiqui's Novella "Kameen Gaah"

Hasan Mehmood
Lecturer, Department of Urdu & Iqbaliat,
The Islamia University of Bahawalpur

Abstract

Shaukat Siddiqui is regarded as one of the distinguished writers associated with the Progressive Writers' Movement. He belongs to that rare group of authors whose works gained remarkable recognition during their own lifetime. In order to articulate his particular worldview, Siddiqui produced a substantial body of work in both the short story and the novel forms.For him, literature should not be confined merely to the themes of beauty and love; rather, it should serve as a medium of positive social change. Consequently, issues such as class divisions, poverty, and social inequalities became central to his creative output. Shaukat Siddiqui began his literary career as a short story writer. After publishing three short story collections, his first novella "Kameen Gaah" appeared. Though written in 1945, it was published much later in1957. This novella was included in the special novella issue of the journal Saip, where it carried the alternate title "Woh aur Uska Saya". "Kameen Gaah" is a significant contribution to Urdu literature, marked by its realistic orientation. It highlights the contradictions of society, the tensions of class struggle, and the complexities of human psychology. "Kameen Gah" is one such text, reflecting the socio-political realities of its age while simultaneously offering a profound exploration of the human condition.

Keywords:
Social Inequalities, Class Conflict, Feudal Exploitation, History, Civilization, Culture, World War II, Human Psychology

شوکت صدیقی ترقی پسند تحریک سے وابستہ ایسے نامور ادیب ہیں جن کا شمار ایسے ادیبوں میں ہوتا ہے جن کی تصانیف کو ان کی زندگی میں ہی شہرت نصیب ہو گئی۔ انھوں نے اپنے مخصوص نقطۂ نظر کی وضاحت کے لیے افسانہ اور ناول دونوں اصناف میں سرمایہ چھوڑا۔ شوکت صدیقی کے فکری ارتقاء کے پس منظر میں ہجرت کے اثرات، ان کا خاندانی ماحول اور اس خطے کی سیاسی و سماجی تحاریک نے اہم کردار کیا۔ ابتدا ان کی تحریریں رومانوی رنگ لیے ہوئے ہیں تاہم ان کی یہ رومانویت محض جذباتی نہیں بلکہ سماجی مسائل کی جھلک بھی رکھتی ہے۔ شوکت صدیقی کی فکری تشکیل میں ترقی پسند تحریک کا اہم کردار ہے۔ شوکت صدیقی کے نزدیک ادب کو محض حسن و عشق کے موضوعات تک محدود نہیں رہنا چاہیے بلکہ اسے سماج میں مثبت تبدیلی کا ذریعہ بننا چاہیے۔ انھوں نے طبقاتی تقسیم، غربت اور سماجی ناہمواریوں کو اپنی تخلیقات کا موضوع بنایا ہے۔

شوکت صدیقی نے مختلف النوع تصنیفی اور تخلیقی کام کیے ہیں مگر جو مقام ان ناولوں اور افسانوں کو ملا ہے وہ خود ایک اہم حقیقت ہے۔ قیام پاکستان سے قبل ہی ان کی تخلیقی کاوشیں منظر عام پر آچکی تھیں اور شوکت صاحب کی اپنی زبانی ان کی پہلی کہانی ۱۹۴۱ میں شائع ہوئی۔ شوکت صاحب نے حقیقیت پسندی کو اپنی تخلیقی سفر بنیادی ستون بنایا۔ ان کا ناول "خدا کی بستی" اس کی عمدہ مثال ہے۔ "خدا کی بستی" میں شہری زندگی کے مسائل، اخلاقی پستی، بیروزگاری اور غربت کو حقیقت کے آئینے میں پیش کیا ہے۔

شوکت صدیقی کے ناول "جانگلوس" میں پنجاب کی دیہی اور شہری ثقافت کو خوب سمویا ہے۔ جاگیرداروں کا استحصالی نظام اور جاگیرداروں اور وڈیروں کا سیاست میں عمل دخل ناول کا بہت بڑا حصہ ہے۔ سیاست دانوں کے ساتھ ساتھ بیوروکریسی کی اخلاقی گراوٹ اور عوام کے استحصال کا بیان بھرپور ہے۔ ڈاکٹر سید جعفر احمد لکھتے ہیں:

> "شوکت صدیقی صاحب کے تینوں مذکورہ ناولوں میں معاشرتی بے ضابطگیوں اور ناانصافیوں کی تصویریں کتنی ہی تلخ کیوں نہ ہوں اور ان میں انسانی بے بسی کا احساس کتنا ہی جاں سوز کیوں نہ ہو، تبدیلی کا ایک داعیہ ان میں ضرور دیکھا جا سکتا ہے۔"(۱)

شوکت صدیقی نے اپنے تخلیقی سفر کا آغاز افسانہ نگاری سے کیا۔ ان کے تین افسانوی مجموعوں کے بعد "کمین گاہ" ان کا پہلا ناولٹ ہے۔ یہ ناولٹ اگرچہ ۱۹۴۵ میں لکھا گیا مگر یہ ۱۹۵۷ میں منظر عام پر آیا۔ یہ ناولٹ "سیپ" کے ناولٹ نمبر میں شامل ہے اور وہاں اس کا عنوان "وہ اور اس کا سایہ" ہے۔ "کمین گاہ"

اردو میں ایک اہم اور حقیقت پسندی پر مبنی تخلیق ہے جو معاشرے کی ناہمواریوں، طبقاتی کشمکش اور انسانی نفسیات کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرتی ہے۔ اردو ادب روز اول سے معاشرتی، ثقافتی، تہذیبی اور اخلاقی رویوں کی مکمل عکاسی کرتا آیا ہے۔ بالخصوص انسانی نفسیات، طبقاتی کشمکش اور جنس جیسے موضوعات پر ایسی تخلیقات ملتی ہیں جو اپنے عہد کی تہذیبی و ثقافتی شناخت اور اخلاقی زوال کی نشاندہی کرتی ہیں۔

شوکت صدیقی نے جس دور میں "کمین گاہ" لکھا اس دور میں انھوں نے افسانے لکھے تھے۔ موضوع اور اسلوب کے حوالے سے افسانے کا دامن اتنا وسیع نہ تھا اس لیے انھوں نے اپنا اولین ناولٹ "کمین گاہ" لکھا اور یہیں سے ان کی ناول نگاری کی ابتداء ہوئی۔ اس کا تاریخی پس منظر جنگ عظیم دوم کے بعد پیدا ہونے والے حالات و واقعات ہیں اس کے علاوہ اس ناولٹ میں یہ بھی دکھایا گیا ہے کہ سرمایہ دار طبقہ مزدوروں اور محنت کشوں کا استحصال کرتا ہے اور ان کے حقوق پامال کرتا ہے۔ ہندوستانی سماج میں کیسے جاگیر دار اور صنعت کار مزدوروں کی آواز دبانے کی کوشش کرتے ہیں- انھیں پیدائشی غلام سمجھنے کے ساتھ ساتھ ان پر تشدد اور ظلم و جبر کرنا بھی اپنا حق سمجھتے ہیں۔ اس ناولٹ کا بنیادی موضوع ہندوستانی سماج ہے- طبقاتی کشمکش اور معاشرتی ناانصافی "کمین گاہ" کا مرکزی موضوع ہے جو شوکت صدیقی کے دیگر ناولوں "خدا کی بستی" اور "جانگلوس" کا بھی اہم موضوع ہے۔ برصغیر میں جاگیر دارانہ نظام کی جگہ سرمایہ دارانہ نظام لے رہا تھا۔ جاگیر دار سفاک تھے تو صنعت کاروں اور سرمایہ داروں نے بھی مزدور طبقے کا کچھ کم استحصال نہیں کیا۔ سرمایہ دارانہ نظام کی برائیاں اور مزدوروں کا استحصال اور اس کے نتیجے میں جنم لینے والی طبقاتی کشمکش ہی "کمین گاہ" کا موضوع ہے۔ ڈاکٹر انوار احمد لکھتے ہیں:

> "اس ناولٹ میں بھی شوکت صدیقی نے سماج پر مسلط نظام کی تاریکیوں اور پستیوں کو ظاہر کیا ہے۔ ظلم کی چکی میں پستے ہوئے محنت کشوں کی آواز کو دبانے کے لیے "شرفاء" کے حربوں کو بیان کیا ہے۔ انسان پر انسان کے تشدد کو ابن آدم کی المناک داستان کی صورت اس طرح دی ہے کہ نفرت کا ہدف انسان اور انسانی فطرت یا خوف و استکراہ کا ماخذ تقدیر کا اندھیرا نہیں بلکہ طبقاتی نظام ٹھہرتا ہے۔ اپنے پڑھنے والوں کو وہ قائل کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ جب تک اس نظام کو بدلا نہیں جائے گا ٹوٹے ہوئے گھروں کے مکینوں پر اندھیرے کی سنگ باری جاری رہے گی۔" (۲)

اس ناولٹ کا ایک اہم موضوع طوائفوں کے مسائل اور ان کے آپسی جھگڑے اور ان سے نمٹنے کے لیے ان کے غنڈے بھی ہیں۔ یہ موضوع اگرچہ عام ہے لیکن شوکت صدیقی نے اسے مختلف زاویے سے

پیش کیا ہے۔ استحصالی قوتوں کی ایک اور شکل ترلو کی چند کی سوتیلی بیوہ ماں رانی بواہ ہے جو اپنے ملازم رام بلی کی محض جسمانی طاقت کا فائدہ اٹھا کر اپنے ناآسودہ جنسی جذبات کی تسکین کرتی ہے۔

لکھنؤ کا طوائف کلچر دراصل اُس تہذیبی فضا کا حصہ ہے جو اودھ کے دربار اور وہاں کی اشرافیہ کی سرپرستی میں پروان چڑھا۔ یہ محض رقص و سرود یا جسمانی تعلقات تک محدود نہیں تھا بلکہ ایک مکمل تہذیبی اور فنکارانہ اظہار تھا۔ طوائفیں گانے، بجانے اور رقص کی ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ اردو زبان کی باریکیوں، شعر فہمی اور محفل آرائی کے آداب سے بھی واقف ہوتی تھیں۔ ان کی محفلیں رئیس زادوں اور اشرافیہ کے لیے نہ صرف تفریح کا ذریعہ بنتی تھیں بلکہ تہذیبی سلیقہ، زبان کی نزاکت اور آدابِ گفتگو سیکھنے کی جگہ بھی سمجھی جاتی تھیں۔ اکثر نوجوانوں کو محفلِ طوائف میں بھیج کر ان کی تربیت کی جاتی تاکہ وہ محفل میں بیٹھنے، گفتگو کرنے اور شعری ذوق پیدا کرنے کا سلیقہ سیکھیں۔ اس طرح طوائفیں لکھنوی تہذیب کی نمائندہ اور فنونِ لطیفہ کی محافظ کہلاتی تھیں۔ تاہم وقت کے ساتھ ساتھ اس کلچر کی معنویت بدلنے لگی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد لکھنؤ کے زوال نے طوائفوں کی محفلوں کو براہِ راست متاثر کیا۔ انگریزی اقتدار کے بڑھتے ہوئے اثرات اور نئی سماجی قدروں نے اس طبقے کو رفتہ رفتہ حاشیے پر دھکیل دیا۔ جو فن کبھی تہذیبی شان کا حصہ تھا، وہ بتدریج بازاری تماش بینی اور جسمانی تفریح سے وابستہ کر دیا گیا۔ اس کے باوجود موسیقی اور شاعری کی کئی اصناف، مثلاً ٹھمری، دادرا اور غزل، انہی محفلوں کی دین ہیں۔ طوائف کلچر کا زوال دراصل لکھنؤ کی اُس تہذیبی روح کے زوال کی علامت ہے جو آداب، نفاست اور فنون کی ہمہ گیری پر قائم تھی۔ اس طرح طوائف کلچر کو صرف بدنامی یا بازار سے جوڑنا اس کے اصل تاریخی اور تہذیبی کردار کو نظر انداز کرنے کے مترادف ہے۔

"کمین گاہ" میں سماج کے ذہنی رویہ اور روزمرہ کی تہذیبی و ثقافتی روایات کو رد و قبول کرتے کردار سانس لیتے دکھائی دیتے ہیں۔ ناولٹ میں تاریخ، تہذیب ثقافت اور سماج کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ شوکت صدیقی کے ناول اور افسانوں میں ہندوستان کی تقسیم، شہری و دیہی کمزور طبقے کے مسائل اور وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم کو موضوع بنایا گیا ہے۔ عام اور متوسط طبقے کی کی زندگیوں کی سختیاں، بیروزگاری اور عدم تحفظ کی فضاء شوکت صدیقی کے ناولوں میں زیر بحث آتے ہیں۔

تقسیم کے بعد معاشرے کی نئی صورت حال، نئے طبقات اور طاقت کے نئے مراکز مثل دلال ٹھیکیدار، تھانہ اور عدالتی کلچر شوکت صدیقی کے ناولوں اور افسانوں کا اہم موضوع ہے۔ "کمین گاہ" میں

شوکت صدیقی مختلف تہذیبی و ثقافتی موضوعات زیر بحث لاتے ہیں جو اس ناولٹ کو ایک سچی دستاویز بناتے ہیں۔ "کمین گاہ" میں اس بات کو اجاگر کیا گیا ہے کہ کس طرح معاشی تنگدستی انسان کو غیر اخلاقی سرگرمیوں کی طرف دھکیل دیتی ہے۔ دلاری کا طوائف بننا اور رام بلی معاشی مجبوریوں کی وجہ سے جرائم کی طرف راغب ہونا اس دور کے سماجی ڈھانچے کی خرابیوں کو آشکار کرتا ہے۔

ناولٹ "کمین گاہ" کے آٹھ حصے ہیں اس کے علاوہ پہلے حصے کے نو ذیلی حصے ہیں دوسرے اور تیسرے کے تین تین چوتھے کے آٹھ پانچویں اور چھٹے کے تین تین، ساتویں کے چھ اور آٹھویں کے چار حصے ہیں۔ حصوں کی یہ تقسیم ناول کی روانی میں فرق نہیں آنے دیتی۔ اس کا پلاٹ سادہ ہے۔ ناولٹ میں اختصار کی وجہ سے پلاٹ میں ربط موجود ہے۔ ناولٹ کا ہر حصہ مرکزی خیال سے منسلک ہے پلاٹ میں کہیں جھول یا خلا کا احساس نہیں ہوتا۔

شوکت صاحب کے ناولوں میں جو چیز سب سے نمایاں طور پر ابھر کر سامنے آتی ہے اور جو ان کے فن کارانہ مہارت پر بھی مکمل دلالت کرتی ہے وہ ان کا کردار سازی کا ہنر ہے-ان کے ناولوں کے کردار جیتی جاگتی اور حقیقی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں - کہیں بھی بناوٹ کا گماں نہیں گزرتا۔ کرداروں کا مطالعہ کرتے ہوئے کسی بھی جگہ یہ احساس نہیں ہوتا کہ ان کو شعوری طور پر لکھا گیا ہے۔ ان کے کردار اتنے زندہ اور جان دار ہوتے ہیں قاری اور ان کے درمیان کوئی خلا نہیں ہوتا۔

ناول کا آغاز قحبہ خانوں کی گلیوں سے ہوتا ہے جہاں راہو مہاراج جیسے غنڈوں کی اجارہ داری ہے۔ یہ گلی سماج کے پست طبقے کی بد حالی اور اخلاقی گراوٹ کی علامت ہے-رام بلی ایک عام، سادہ اور انسانی ہمدردی رکھنے والا کردار ہے حالات کا جبر اسے مجرم بننے پر مجبور کر دیتا ہے۔ "کمین گاہ" میں دو کردار رام بلی اور ترلوکی چند نہایت اہم ہیں۔ کہانی رام بلی کے گرد گھومتی ہے جب کہ نسوانی کرداروں میں بھی دو کردار اللہ رکھی اور رانی بوا کا کردار سامنے آتا ہے-رام بلی اس ناولٹ کا مرکزی کردار لمبا تڑنگا اور مضبوط جسم کا آدمی ہے۔ وہ ایک ٹرک کلینر ہے۔ ازاں بعد ترلوکی چند سے ملاقات کے بعد وہ اس کا آلہء کار بن جاتا ہے۔ ڈاکٹر انوار احمد لکھتے ہیں:

> "پورے ناولٹ میں رام بلی، ترلوکی چند کے آلہء کار کے طور پر کام کرتا ہوا نظر آتا ہے اور غریب مزدوروں کا استحصال کرتا ہے۔"(۳)

رام بلی ابتدا میں رحم دل انسان تھا۔ اس نے لوٹن کو راہو مہاراج سے بچایا اگر کوئی کسی طوائف کو تنگ کرتا تو وہ اس کو منہ توڑ جواب دیتا ترلوکی چند سے ملاقات کے بعد وہ ظلم کے نظام کا کارندہ بن کر

مزدوروں پر ظلم کرتا رہا۔ اس نے مزدور یونین کے دفتر کو آگ بھی لگادی-رام بلی جیسے کردار جو دیہی پس منظر سے تعلق رکھتے ہیں اور شہری سماج میں اپنی شناخت کھو دیتے ہیں۔ رام بلی ایک جاہل مگر انسانی ہمدردی سے معمور ایک کردار ہے۔ یہ کردار سماجی حقیقت کی علامت ہے، جہاں طاقت ور طبقے کے ذیلی کارندے کمزور اور بے بس عوام کو اپنے مفاد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ رام بلی براہِ راست بڑے سرمائے اور طاقت تک رسائی نہیں رکھتا، لیکن وہ ترلوکی چند کے لیے ایک ایسا ذریعہ ہے جس کے ذریعے غریب مزدوروں اور عام محنت کشوں کو قابو میں رکھا جاتا ہے۔ وہ مزدوروں کو جھوٹے وعدے دیتا ہے، ان کے جذبات کو بھڑکاتا ہے یا کبھی معمولی لالچ دکھا کر انہیں اپنے قابو میں لاتا ہے۔ یوں وہ ان کے پسینے اور محنت سے سرمایہ دارانہ مفاد کی گاڑی کو آگے بڑھاتا ہے۔ یہ کردار اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ استحصالی نظام صرف بڑے سرمایہ دار یا جاگیر دار کے زور پر نہیں چلتا بلکہ اُن کے ساتھ جُڑے ہوئے چھوٹے چھوٹے کارندے بھی اس جبر کو قائم رکھنے میں برابر شریک ہوتے ہیں۔ رام بلی کی حیثیت اسی "کمین گاہ" کے ایک پرزے کی ہے جس کے ذریعے طاقت ور طبقہ کمزور طبقات پر اپنی گرفت مضبوط رکھتا ہے۔ اس طرح شوکت صدیقی نے طبقاتی استحصال کی تہہ در تہہ ساخت کو واضح کیا ہے۔ جہاں اوپر ترلوکی چند جیسے سرمایہ دار ہیں اور نیچے رام بلی جیسے کارندے، جو بالآخر سب کا بوجھ مزدوروں اور غریب عوام کے کندھوں پر ڈالتے ہیں۔

رام بلی جسمانی طور پر تو بہت طاقتور ہے لیکن ذہنی صلاحیتوں سے محروم ہے ترلوکی چند کی طرح اس کی سوتیلی ماں بھی اپنی جنسی تسکین کے لیے اسے استعمال کرتی ہے۔ ترلوکی چند کا کردار ظالم اور سرمایہ دارانہ نظام کی برائیوں کی علامت کے طور پر سامنے آتا ہے۔ وہ اپنے ذاتی فائدے کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہے وہ اپنے ضرورت اور مفاد کی خاطر رام بلی جیسے لوگوں کو استعمال کرتا ہے اور جب ان کی ضرورت نہ ہو تو وہ اسے راستے سے ہٹا دیتا ہے۔ اس نے اپنے وفادار ملازم نربدا رائے کو قتل کر دیا کہ وہ اپنی سکیم کے عوض کارخانے کا تیس فیصد حصہ دار بننا چاہتا تھا۔ ترلوکی چند کے نزدیک مذہب یا عقائد کی کوئی حیثیت نہیں اس کا ایمان صرف پیسہ ہے-اسی لالچ میں وہ اپنی سوتیلی ماں اور بھائی کو مروانا چاہتا ہے۔

شوکت صدیقی عورت کو محض مجبور نہیں دکھاتے بلکہ وہ عورت کے کردار کو مزاحمتی کردار کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ گھر کی چار دیواری عورت کے لیے قید بھی ہے اور تحفظ کی علامت بھی سمجھی جاتی ہے۔ مرد مرکز سماج میں مردانہ رائج تصورات میں عورت کو محض ایک چیز سمجھنے، رعب جمانے اور دوسرے درجے کی صنف تصور کیا جاتا ہے۔

طوائف کا کلچر جو کہ ناول کا نقطہء آغاز ہے۔ ایک وقت میں لکھنؤ کی تہذیبی و ثقافتی شناخت کا ایک حصہ سمجھا جاتا تھا مگر اسے ہمیشہ معاشرتی، اخلاقی اور سماجی زوال کے طور پر دیکھا گیا ہے۔ "کمین گاہ" کے نسوانی

کرداروں میں اللہ رکھی ہے جو ایک طوائف ہے مگر دل کی اچھی ہے۔ وہ رام بلی کی مرہم پٹی کرتی اور خدمت کرتی ہے۔ وہ معاملہ فہم اور سمجھ دار ہے وہ رام بلی سے یہ کہہ کر شادی سے انکار کر دیتی ہے کہ وہ شرابی ہے۔ رانی بوا بھی رام بلی کو ترلو کی چند کی طرح استعمال کرتی ہے۔ وہ اسے شراب کا لالچ دے کر اپنی جنسی تسکین کا باعث بنا لیتی ہے۔ دیکھا جائے تو اللہ رکھی اور رانی بوا کے کرداروں میں خاص فرق نہیں۔ اللہ رکھی طوائف ہو کر جو کام کرتی ہے رانی بوا کو اعلیٰ طبقے کی معزز عورت ہو کر بھی یہ کام کرتے ہوئے شرم محسوس نہیں ہوتی۔

ناول کے مختلف کردار رام بلی، دلاری اور ترلو کی چند ایک مختلف اور متنوع ثقافتی ڈھانچے کی نمائندگی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ رام بلی، دلاری اور ترلو کی چند تین مختلف طبقوں اور ثقافتی ڈھانچوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ رام بلی ایک ٹرک کلینزر ہے جو محنت کش طبقے اور نچلے درجے کے مزدوروں کی علامت ہے۔ وہ خود معاشی مجبوریوں کا شکار ہے لیکن ترلو کی چند جیسے سرمایہ داروں کے لیے آلہ کار کا کردار ادا کرتا ہے۔ اس کے ذریعے مصنف یہ دکھاتے ہیں کہ کس طرح مزدور طبقہ اپنی بے بسی کی وجہ سے استحصالی نظام کا سہارا بنتا ہے اور بالآخر اسی کا شکار بھی ہوتا ہے۔ دلاری طوائف ہے اور وہ اُس ثقافتی روایت کی نمائندہ ہے جس میں طوائف کلچر کو کبھی تہذیبی اور فنکارانہ مرکزیت حاصل تھی، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ یہ محض جسمانی تفریح اور بازاری حیثیت اختیار کر گیا۔ اس کے کردار سے یہ بات اجاگر ہوتی ہے کہ سماجی اور ثقافتی زوال کس طرح عورت کی عزت و وقار اور اس کے فن کو متاثر کرتا ہے۔ ترلو کی چند سرمایہ دار ہے اور سرمایہ دارانہ جبر و استحصال کی علامت ہے۔ وہ محنت کشوں اور غریب طبقات کو اپنے مفاد کے لیے استعمال کرتا ہے۔ اس کے کردار سے شوکت صدیقی نے یہ دکھایا ہے کہ کس طرح دولت اور طاقت رکھنے والا طبقہ سماجی ڈھانچے پر اپنی گرفت مضبوط رکھتا ہے۔ یہ تمام کردار اس عہد کے معاشرتی رویوں کو ظاہر کرتے ہیں جہاں قدیم اور جدید اقدار کے درمیان تصادم جاری تھا۔ شوکت صدیقی نے مختلف کرداروں کی نفسیات کو اس عہد کے تہذیبی و ثقافتی پس منظر میں پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر شہناز رحمٰن کے بقول:

> "شوکت صدیقی کا ایک کمال یہ بھی ہے کہ وہ کرداروں کی داخلی و خارجی کیفیات کی پیشکش اور ہم آہنگی کے ذریعہ اثر کو تیز تر بنا دیتے ہیں کیوں کہ ان کے کردار عام انسانوں کے زندہ نمونے ہوتے ہیں یعنی ان میں اچھائی اور برائی کے دونوں پہلو موجود ہوتے ہیں۔"(۴)

"کمین گاہ" کے کردار محض جسمانی تسکین یا وقتی لذت کے اسیر نظر آتے ہیں زیادہ تر کردار ذہنی طور پر الجھے ہوئے ہیں ان کے ہاں شعور کی کمی ہے۔ یہاں شوکت صدیقی نے انسان کی ان خامیوں کو اجاگر کیا ہے جو محض وقتی تسکین اور خواہشات کی تکمیل کے لیے اسے اخلاقی اصولوں اور سماجی اقدار سے دور لے جاتی ہے۔ شوکت صدیقی نے اس ناولٹ میں سرمایہ دارانہ نظام کی برائیوں کو بے نقاب کیا ہے۔ اس میں چند اہم کردار ہیں جو اپنے اپنے طبقات کی نمائندگی کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ان کی ذاتی صفات بھی

سامنے آتی ہیں۔ ترلوکی چند اور رانی بوا سرمایہ دار طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ جبکہ اللہ رکھی، نربدا رائے اور دیگر مزدوروں کا تعلق استحصال زدہ طبقے سے ہے۔ سرمایہ داروں کے آلہ کار کے طور پر رام بلی ہے جس کا تعلق نچلے طبقے سے ہے مگر اعلیٰ طبقے کے اشاروں پر چلتے چلتے اکثر اپنی حیثیت کو بھول جاتا ہے اور دردناک انجام سے دوچار ہوتا ہے۔

شوکت صدیقی ترقی پسند ادیب تھے اور "کمین گاہ" ان کے نظریات کی مکمل عکاسی کرتا ہے وہ معاشرے کی اصلاح کے مختلف پہلوؤں پر زور دیتے ہیں اور عام آدمی کی آواز بلند کرتے ہیں۔ ناولٹ "کمین گاہ" میں زبان خود بہ طور ایک ثقافتی نقشہ کے ابھر کر سامنے آتی ہے۔ شوکت صدیقی کا انداز بیان بہت سادہ اور قابل فہم ہے۔ ان کا اسلوب موضوع اور صنف کے مطابق ہوتا ہے۔ کردار، ماحول، مکالمے اور منظر نگاری سب ہی کچھ فطری انداز سے سامنے آتے ہیں کہ کہیں بناوٹ کا احساس نہیں ہوتا۔ ان کے ہاں مکالمہ زندہ اور زمین سے جڑا ہوا ہے۔ کرداروں کی درجہ بندی کے مطابق لہجہ اور بول چال کا انداز بدل جاتا ہے۔ شوکت صدیقی کا اسلوب سادہ ہے مگر جب کسی منظر کی تصویر کشی کرتے ہیں تو منظر آنکھوں سامنے آجاتا ہے:

> "موسم بڑا سہانا تھا۔ ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی۔ فضا میں خوشگوار خنکی تھی۔ رات زیادہ نہیں گزری تھی۔ ساڑھے نو بجے کا عمل ہو گا۔ رام بلی اسی شام اپنے ٹرک کے ساتھ لکھنؤ آیا تھا۔ ٹھرے کا ادھا چڑھا کر وہ ڈالی گنج کے اڈے پر ڈرائیوروں، کلینروں اور اپنے دوسرے ہم پیشہ لوگوں کے ساتھ دل بہلا رہا تھا۔ ہڑک اور مجیرے کی سنگت پر ایک پوربیا گیت لہک لہک کر الاپا جا رہا تھا۔"(۵)

شوکت صدیقی کے ناولٹ کمیں گاہ کے اس اقتباس میں مصنف نے منظر نگاری اور کردار نگاری کے ذریعے سماجی حقیقت کو نمایاں کیا ہے۔ ابتدا میں موسم کی دلکشی کا بیان ہے؛ ہلکی بوندا باندی، خوشگوار فضا اور رات کا ابتدائی وقت—جو ایک سہانی اور رومانی کیفیت پیدا کرتا ہے۔ مگر اسی کے ساتھ ہی رام بلی کا تعارف سامنے آتا ہے جو مزدور طبقے سے تعلق رکھنے والا عام آدمی ہے۔ وہ ٹرک کے ساتھ لکھنؤ آتا ہے اور تھکن و کسمپرسی سے نجات پانے کے لیے شراب نوشی اور ساتھیوں کی محفل میں دل بہلاتا ہے۔ "ڈالی گنج کا اڈہ" اور ڈرائیوروں و کلینروں کی صحبت دراصل اس طبقے کی مخصوص تہذیب اور طرزِ حیات کو اجاگر کرتی ہے، جبکہ "پوربیا گیت" اور ہڑک و مجیرے کی سنگت عوامی ثقافت اور مزدوروں کی تفریحی روایات کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اس اقتباس میں ایک واضح تضاد موجود ہے: ایک طرف قدرت کا حسن اور موسم کی رعنائی ہے، اور دوسری طرف محنت کش طبقے کی کچی، بے سکون اور وقتی لذتوں سے جڑی زندگی۔ یوں یہ حصہ ناول کے مرکزی موضوع یعنی سماجی بدصورتی اور فطرت کے حسن کے تصادم کو اجاگر کرتا ہے اور قاری کو ناول کی حقیقت پسندانہ دنیا میں داخل کرتا ہے۔ ادبی تجزیہ نگار ڈاکٹر شہناز رحمٰن لکھتی ہیں:

"اس ناول میں ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ مختصر ہونے کی وجہ سے مناظر کا بیان بہت اختصار کے ساتھ مناسب پیرائے میں اس طرح کیا گیا ہے کہ اس عہد کی مخصوص تہذیب کا ایک خاکہ ابھر کر سامنے آجاتا ہے۔"(۶)

اس ناولٹ کی کہانی لکھنو اور اس کے مضافات کے گرد گھومتی ہے۔ اس میں سرمایہ دار بھی ہیں اور ان کے آلہ کار بھی، طوائف بھی ہے اور معزز گھرانے کی بدکردار بیوہ بھی اس کے علاوہ ٹرک ڈرائیور، مزدور اور غنڈے موالی بھی ہیں۔ شوکت صدیقی نے ان سب کے طبقات اور پیشوں کے مطابق زبان استعمال کی ہے۔ شوکت صدیقی لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ اردو ان کی مادری زبان تھی۔ وہ معیاری اور بامحاورہ زبان لکھنے کی قدرت رکھتے تھے۔ بعض کرداروں کے مکالموں میں تلخی، طنز اور بے تکلفی نمایاں ہے۔ "کمین گاہ" کی خصوصیات میں سے سب سے اہم مکالمہ نگاری ہے۔ کرداروں کی نفسیات، حالات اور ماحول کے مطابق مکالمے ملتے ہیں۔ "کمین گاہ" میں عوامی زبان اور محاورے بہ کثرت ملتے ہیں جس سے مکالمہ نہ صرف حقیقت کے قریب آتا ہے بلکہ اپنے قاری کو ایک مخصوص فضا میں لے جاتا ہے:

"لیکن جب دلاری اس کی جانب متوجہ ہوئی تو ترلوکی چند سے رہا نہ گیا۔ اس نے فوراً چوٹ کی۔ "کسی نے سچ کہا ہے۔ رنڈی دس سے کھاتی ہے اور ایک کو کھلاتی ہے۔"

دلاری نے مسکرا کر فوراً صفائی پیش کی۔ "سیٹھ! تم خواہ مخواہ بدگمانی میں مبتلا ہو جاتے ہو۔" اس نے فرش پر پیر مارا۔ گھنگھروؤں کا چھناکا ہوا۔ طبلچی نے گردن جھٹک کر طبلے پر ٹھیکا لگایا۔"(۷)

شوکت صدیقی نے طبقاتی رویوں، عورت کی معاشرتی حیثیت اور اس دور کے اخلاقی تصورات کو بڑے مؤثر ڈرامائی انداز میں پیش کیا ہے۔ دلاری کا رام بلی کی طرف متوجہ ہونا انسانی جذبے اور ایک لمحاتی اپنائیت کی علامت ہے، لیکن ترلوکی چند اس پر برداشت کھو دیتا ہے اور فوراً ایک بازاری کہاوت دہرا کر نہ صرف دلاری کی تضحیک کرتا ہے بلکہ عورت کو محض کاروبار اور عیاشی کا سامان سمجھنے والا اپنا رویہ بھی واضح کر دیتا ہے۔ یہ جملہ پدرشاہی اور سرمایہ دارانہ ذہنیت کی عکاسی ہے جس میں عورت کی کوئی انفرادی شناخت یا وقعت نہیں، وہ صرف مرد کی ملکیت ہے۔ دلاری کا جواب اور اس کی مسکراہٹ اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ وہ ایسے طعنے اور بدگمانی کی عادی ہے، اس لیے وہ فوراً صفائی پیش کر کے اپنی عزت بچانے کی کوشش کرتی ہے۔ فرش پر پیر مار کر گھنگھروؤں کی جھنکار اور طبلچی کا ردِ عمل پورے منظر کو ڈرامائی اور تہذیبی رنگ عطا کرتا ہے، گویا ایک ہی لمحے میں عورت کی بے بسی، مرد کی حاکمیت اور ماحول کی تفریحی فضا ایک دوسرے میں گتھم گتھا ہو جاتی ہے۔ اس اقتباس میں شوکت صدیقی کی حقیقت نگاری اور سماجی شعور دونوں نمایاں ہیں؛ وہ عورت کی تذلیل، سرمایہ دار کی برتری اور طوائف کی مجبوریوں کو ایک ہی منظر میں سمو دیتے ہیں، جس سے ناول کا بیانیہ زیادہ جاندار اور حقیقت سے قریب تر محسوس ہوتا ہے۔

"کمین گاہ" اپنے قاری کو یہ ضرور باور کراتا ہے کہ اخلاقی پستی اور زوال کسی ایک فرد کا نہیں بلکہ پورے ہندوستانی سماج کا المیہ ہے۔ناولٹ میں یہ دکھایا گیا ہے کہ دولت اور طاقت کی غیر مساوی تقسیم میں کمزور نے خود کو بچانے کے لیے ہر طرح کے جائز و ناجائز حربے استعمال کیے ہیں۔شوکت صدیقی اس سارے اخلاقی و تمدنی بحران کو ناصح و واعظ بنے بغیر عام زبان، سادہ الفاظ اور مختلف مناظر کے ذریعے دکھایا ہے۔

شوکت صدیقی کا یہ ناولٹ ان کے تخلیقی شعور اور فنی پختگی کا عکاس ہے۔مصنف نے حقیقت اور فن کی باریکیوں کو یکجا کر کے ایک ایسا فن پارہ تخلیق کیا ہے جو معنویت اور فکری گہرائی کے اعتبار سے ایک منفرد و ممتاز مقام رکھتا ہے۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) ڈاکٹر سید جعفر احمد، مقدمہ، مشمولہ: شوکت صدیقی افکار و شخصیت، مرتبہ: نثار حسین، (کراچی: کتاب پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء)، ۱۹۔

(۲) ڈاکٹر انوار احمد، شوکت صدیقی شخصیت اور فن بہ سلسلہ پاکستانی ادب کے معمار، (اسلام آباد: اکادمی ادبیات، ۲۰۰۶ء)، ۳۹۔

(۳) ایضاً، ۴۲۔

(۴) ڈاکٹر شہناز رحمٰن، شوکت صدیقی کے ناول کمین گاہ کا فنی جائزہ، www.adbimiras.com ۲۱ جنوری ۲۰۲۱ء۔

(۵) شوکت صدیقی، کمین گاہ، (کراچی: کتاب پبلی کیشنز، ۱۹۹۷ء)، ۲۹۔

(۶) ڈاکٹر شہناز رحمٰن، شوکت صدیقی کے ناول کمین گاہ کا فنی جائزہ، www.adbimiras.com ۲۱ جنوری ۲۰۲۱ء۔

(۷) شوکت صدیقی، کمین گاہ، ۲۹۔

References

1. Syed Jaffar, Dr, Preface, Included, Shaukat Siddiqui Afkar-o-Shakhsiyat(Editor, Nisar Hussain), Karachi: Kitab Publications, 2014, Page 19
2. Anwar Ahmad, Dr, Shaukat Siddiqui Shakhsiyat aur Fun, Islamabad: Literature Academy, 2006, Page 39
3. Ibid, Page 42
4. Shahnaz Rahman, Dr, Shoukat Siddiqui Ke Novel Kameen Gaah ka Funny Jaiza, www.adbimiras.com, 21st January, 2021
5. Shaukat Siddiqui, Kameen Gaah, Karachi: Kitab Publications, 1997, Page 29
6. Shahnaz Rahman, Dr, Shoukat Siddiqui Ke Novel Kameen Gaah ka Funny Jaiza, www.adbimiras.com, 21st January, 2021
7. Shaukat Siddiqui, Kameen Gaah, Page 29

❖❖❖